© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

پنجاب کا سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی ماحول
(عہد اسلامی میں)

سر زمین پنجاب کا نام (پنج+آب) اور اس خطے میں اردو (ہندوی) کا آغاز اسلامی عہد سے وابستہ ہے۔ پنجاب کے سیاسی جغرافیے میں مختلف تاریخی ادوار میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے لیکن اس کا طبیعی محل وقوع دریائے سندھ (اٹک) سے دریائے جمنا کا درمیانی علاقہ ہے جو شمال میں کشمیر اور شمال مشرق میں شوالک کی پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اور یہ پہاڑی سلسلے کوہ ہمالیہ سے پیوست ہیں۔ ان پہاڑیوں سے اتر کر پنجاب کا میدانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے جسے پانچ دریا جہلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج سیراب کرتے ہیں۔ ان دریاؤں کے منابع کوہ ہمالیہ میں ہیں اور پنج ند کے مقام پر یہ سب دریا مل کر آگے دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہیں سے پنجاب کی جنوب مغربی حد ختم ہو جاتی ہے۔ جنوب میں راجستھان (بیکانیر، جیسلمیر، راجپوتانہ) کا صحرائی علاقہ ہے۔ پنجاب کا یہ زرخیز و شاداب میدانی علاقہ صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ بنا رہا ہے۔ ازمنۂ قدیم کی تہذیب کے آثار جو کھدائی کے بعد ملے، ہڑپہ سے موہنجوڈارو تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آریاؤں کی آمد کے بعد جو نیا تہذیبی منظر وجود میں آیا اس کے قدیم آثار ٹیکسلا میں ملتے ہیں۔ سنہ ایک ہزار عیسوی کے اختتام پر ان علاقوں میں اسلامی تہذیب کا عمل دخل شروع ہوا، اور یہی تہذیب پرانے آثار کو اپنے اندر جذب کر کے ایک زندہ تہذیب کے طور پر اس خطۂ مینو سواد میں گزشتہ ایک ہزار سال سے جاری و ساری ہے۔

برصغیر پاک و ہند سے مسلمانوں کا تعلق ان عرب تاجروں کی بدولت اسلام کے ظہور ہی سے قائم ہوگیا تھا جن کی بادبانی کشتیاں ساحل عرب سے سواحل ہند و چین تک شب و روز سفر کرتی تھیں اور ان کے ذریعے مال تجارت ہی کا لین دین نہیں ہوتا تھا بلکہ تہذیب و تمدن کی آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے باب الاسلام دیبل کو فتح کر کے شمال کی طرف پیش قدمی کی اور دو سال کے عرصے میں ملتان تک فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ یہ کامیاب مہم جس کا

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آغاز تادیبی کارروائی کے طور پر ہوا تھا، یہیں پہنچ کر رک گئی۔ اسلامی فتوحات اس زمانے میں وسط ایشیا، شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کو اپنی آغوش میں لے چکی تھیں اور ان وسیع و عریض علاقوں میں نظم و نسق قائم کرنا، مزید فتوحات سے زیادہ اہم اور ضروری تھا ورنہ برصغیر کے حالات عربوں کی فاتحانہ یلغار کے لیے بڑے سازگار تھے۔ کیونکہ مہاراجہ ہرش کی وفات (۶۴۷ء) کے بعد یہاں صدیوں تک انتشار کا عالم رہا اور چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستیں باہمی رزم آرائیوں میں مبتلا رہیں۔ ان حالات میں عرب فاتحین کی یلغار کا عمل جاری رہتا تو اس ملک کی تاریخ کا رخ شاید کچھ اور ہوتا۔ بہرکیف پنجاب کے شاداب میدان آئندہ تین صدیوں تک اسلامی تہذیب کے اثرات سے محروم، تاریکی کے پردے میں مستور رہے۔ سندھ کے مفتوحہ علاقے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور خلافت میں کچھ عرصہ تک تو مرکز کے زیر اختیار رہے۔ جب مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑی تو منصورہ اور ملتان میں خود مختار امارتیں قائم ہوگئیں اور اسماعیلی فرقے نے یہاں اپنا تسلط جما لیا۔ اس منظر میں شمال مغرب سے درۂ خیبر کے راستے ان ترکمانوں اور افغانوں کے قدم پنجاب کی طرف بڑھے جو گزشتہ دو تین سو سال کے عرصے میں اسلام قبول کر کے اسلامی تہذیب کے پرجوش نمائندے بن چکے تھے۔ یہاں سے برصغیر میں اسلامی تہذیب کے اثر و نفوذ کا نیا باب کھل گیا۔

دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں لاہور اور کابل کے علاقوں پر راجہ جیپال حکمران تھا۔ سلطنت غزنی کی سرحدیں اس کے علاقوں سے ملتی تھیں۔ جیپال نے حفظ ماتقدم کے طور پر چڑھائی کی۔ لمغان کے قریب ۹۸۶ء میں معرکہ آرائی ہوئی۔ جیپال شکست کھا کر صلح کا خواستگار ہوا۔ معاہدے کے مطابق راجہ نے امیر سبکتگین کو تاوان جنگ اور خراج دینا قبول کیا جسے وصول کرنے کے لیے سلطان کے آدمی اس کے ہمراہ گئے۔ لیکن لاہور پہنچ کر راجہ معاہدے سے منحرف ہوگیا اور سلطان کے آدمیوں کو قید کر دیا۔ سلطان نے راجہ کی بدعہدی اور اپنے آدمیوں کی گرفتاری پر شدید ردعمل ظاہر کیا اور چڑھائی کردی۔ جیپال کی مدد کو برصغیر کے راجے اور راؤ اپنی اپنی فوجیں لے کر آئے۔ پشاور کے قریب جنگ ہوئی۔ ہندوستان کی متحدہ افواج کو شکست فاش ہوئی اور پشاور تک کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل کر لیا گیا۔ امیر سبکتگین کی وفات (۹۹۷ء) کے بعد سلطان محمود نے برصغیر پر متعدد یلغاریں کیں اور دور دراز گوشوں (قنوج، گوالیار، کانگڑہ، کالنجر، سومنات وغیرہ) تک پہنچ کر بار بار ہندوستانی راجاؤں کو شکستیں دیں اور آئندہ اسلامی فتوحات کے لیے زمین ہموار کردی۔ سلطان نے اپنی ان فتوحات کو کبھی مستقل حیثیت نہ دی۔ صرف پنجاب کو یہاں کے راجہ کی بد عہدیوں کی وجہ سے بالآخر ۱۰۲۲ء میں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور یہاں اپنا والی (گورنر) مقرر کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنجاب کے غزنوی سلطنت سے ملحق ہونے سے یہاں تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا ، جسے اسلامی عہد کہا جا سکتا ہے ۔ اس عہد کو (پنجاب کی حد تک) چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ (۱) غزنوی دور (۲) سلاطین دہلی کے عہد میں (۳) مغلوں کے زیر سایہ (۴) مغلوں کے زوال کے بعد ، سکھا شاہی دور ۔ ان ادوار کے کوائف کا اجمالی تذ کرہ درج ذیل ہے :

غزنوی دور (۱۰۲۲ء-۱۱۸۶ء) :

اس دور کا آغاز ۱۰۲۲ء سے ہوتا ہے جب سلطان محمود نے پنجاب کا الحاق غزنوی سلطنت سے کر لیا اور لاہور میں اپنے معتمد ملک ایاز کو والی مقرر کیا ۔ غزنوی خاندان کے آٹھ سلاطین (مسعود اول تا سلطان ابراہیم) تک پنجاب پر والیوں کے ذریعے حکومت ہوتی رہی ۔ جب آل سلجوق نے سلطنت غزنہ کے مغربی اقطاع (ایران و خراسان) پر قبضہ کر لیا تو مسعود ثالث کے عہد (۱۰۹۹ء - ۱۱۱۴ء) میں غزنی کے بجائے لاہور کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ۔ سلاطین کا زیادہ تر وقت پنجاب میں گزرتا ۔ حتیٰ کہ غوریوں نے غزنی پر قبضہ (۱۱۷۳ء) کرنے کے بعد ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی سلطان خسرو ملک سے لاہور بھی چھین لیا اور اس طرح غزنوی عہد ختم ہوا ۔ غزنوی سلطنت کی حدود پنجاب میں بٹھنڈہ اور سرہند تک تھیں کیونکہ معزالدین محمد بن سام انہی سرحدی علاقوں کی گشت پر تھا جب ترائن کے میدان میں رائے پتھورا سے اس کی پہلی جھڑپ (۱۱۹۱ء میں) ہوئی جس میں اسے ہزیمت ہوئی ۔ اگلے سال (۱۱۹۲ء) ترائن کے اسی میدان میں سلطان نے رائے پتھورا اور اس کے ساتھی راجاؤں کو فیصلہ کن شکست دے کر ۱۱۹۳ء میں دہلی اور اجمیر فتح کر لیے اور شمالی ہند ان کے قدموں میں آ گیا ۔

پنجاب میں مسلمان فاتحانہ حیثیت سے آئے تھے لیکن بہت جلد انھوں نے مفتوحہ علاقے کو اپنا وطن بنا لیا اور یہاں مستقل طور پر آباد ہو کر مقامی باشندوں سے رہ و رسم بڑھانی شروع کردی ۔ ہندو راجاؤں نے ۱۰۴۵ء میں سلطان محمود کے پوتے مودود غزنوی کے عہد میں لاہور کو واپس لینے کی کوشش کی لیکن چھ ماہ کی تگ و دو کے بعد انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ مسلمانوں کے قدم مضبوطی سے یہاں جم چکے تھے اور انھوں نے یہاں پائیدار نظم و نسق قائم کر دیا تھا ۔ گکھڑوں کی سرکشی کچھ عرصے تک جاری رہی ۔ لیکن عام ہندو رعایا پرامن تھی اور فاتحین کا سلوک ان کے ساتھ نرمی اور اعتدال کا تھا ۔ مسلمان عسکریوں کے علاوہ تاجر ، ہنرور ، عالم ، مشائخ یہاں آ کر کاروبار زندگی میں حصہ لینے لگے ۔ علما و مشائخ نے یہاں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور ان کے آستانے خاص و عام سب کے لیے رشد و ہدایت کا مرکز بن گئے ۔ مشائخ میں سب سے پہلے شیخ اسماعیلؒ یہاں آئے ۔ ان کی آمد کا سال ۳۹۵ھ م ۱۰۰۴ء ہے جب لاہور ابھی سلطنت غزنہ میں شامل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوا تھا - انھوں نے اپنی وفات (۴۴۸ھ م ۱۰۵۶ء) تک وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا - ''ان کی مجلس وعظ میں ہزارہا آدمی مشرف بہ اسلام ہوتے تھے -''[1] شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ (داتا گنج بخش) سلطان مسعود بن محمود غزنوی ۱۰۳۰-۱۰۴۰ء) کے آخر عہد میں لاہور آئے اور درس و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا - ہزاروں لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے - ان میں رائے راجو بھی تھا جو سلطان مودود بن مسعود کی طرف سے لاہور کا نائب تھا - اسے شیخ ہندی کا لقب ملا - شیخ عزیزالدین مکی (پیر مکی شریف) ۴۷۵ھ میں لاہور تشریف لائے اور یہیں رشد و ہدایت میں مصروف رہ کر ۶۱۲ھ میں فوت ہوئے - انھوں نے بھی ہزاروں لوگوں کے سینوں کو نور ایمان سے منور کیا - اس دور میں لاہور آ کر مقیم ہونے اور تبلیغ دین کی خدمت سر انجام دینے والے ان بزرگوں کے علاوہ سید احمد ترمذی (وفات ۶۰۲ھ) ، سید یعقوب زنجانی (وفات ۶۰۴ھ) بھی قابل ذکر ہیں - پنجاب کے دوسرے علاقوں میں آ کر دین حق کی تبلیغ کرنے والوں میں سخی صفی الدین گازرنی (وفات ۱۰۰۷ء ، اوچ) ، شاہ یوسف گردیزی (وفات ۱۱۵۲ء ملتان) سلطان سخی سرور ، سید احمد (وفات ۱۱۸۱ء ، شاہ کوٹ ، ڈیرہ غازی خان) قابل ذکر ہیں - ان بزرگان دین کی کوششوں سے سرزمین پنجاب میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور یہاں اسلامی تہذیب و معاشرت کی بنیادیں استوار ہونے لگیں ، تاہم غزنوی عہد میں تبلیغ کا یہ دائرہ لاہور، ملتان اور چند دیگر قصبات تک محدود رہا - مشائخ کے بعد علما اور شعرا کے کارناموں کی وجہ سے بھی غزنوی عہد تاریخ میں یادگار ہے - سلطان محمود فاتح ہی نہیں تھا بلکہ علماء و ادباء کا قدردان بھی تھا - یہ روایت اس کے جانشینوں کے عہد میں بھی پھلتی پھولتی رہی - ابو ریحان البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸ء) اس عہد کا پہلا جید عالم ہے جو برصغیر میں آ کر کئی سال تک یہاں کے احوال و کوائف کا مطالعہ کرتا رہا اور بعد میں اپنے مشاہدات کو کتاب الہند میں قلم بند کیا - ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان اس عہد کے نامور شعرا تھے جن کی بدولت غزنی کی طرح لاہور بھی علم و ادب کے فروغ کا مرکز بن گیا تھا - نورالدین محمد عوفی نے لباب الالباب (تدوین ۶۱۸ھ م ۱۲۲۲ء) کی ایک فصل میں اس مرکز کا تذکرہ کرتے ہوئے مسعود سعد سلمان کو تین زبانوں (عربی ، فارسی ، ہندوی) کا شاعر قرار دیا ہے ''او را سہ دیوان است ، یکے بہ تازی ، یکے بہ پارسی ، یکے بہ ہندوی''[2] یہ ایک قریب العہد تذکرہ نگار کا بیان ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں ہندوی (قدیم اردو) کے خط و خال نمایاں ہو چکے تھے اور مسلمان شعرا اسے قابل اعتنا خیال کرنے لگے تھے - یہ زبان مشائخ کے آستانوں پر اور گلیوں و

۱- تذکرہ علمائے ہند ، ص ۱۱۱ و ۱۱۴ (دونوں جگہ ایک ہی بزرگ کا تذکرہ ہے)
۲- لباب الالباب ، مرتبہ آقای سعید نفیسی ، ص ۴۲۳ .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بازاروں میں مسلمان فاتحین اور مقامی باشندوں کے میل جول کے نتیجے میں تشکیل پا رہی تھی۔ امیر خسرو کے بیان سے بھی مسعود سعد سلمان کے ہندوی کلام کی تائید ہوتی ہے[1] جو مثنوی نہ سپہر میں ہندوی کے علاوہ لاہوری (پنجابی) کا ذکر بھی کرتا ہے۔ غزنوی عہد کی یادگار کوئی عمارت تو محفوظ نہیں رہی لیکن اس دور کے بزرگان دین کی تبلیغی کاوشوں کا یہ ثمر ہے کہ لاہور صدیوں سے قبۃ الاسلام کی حیثیت سے جریدۂ عالم پر موجود ہے۔

معز الدین محمد بن سام غوری کے ساتھ جب مسلمانوں کے قدم دہلی کی طرف بڑھتے ہیں تو غزنوی عہد میں پنجاب میں پروان پانے والی تہذیبی و معاشرتی روایت کے ساتھ ساتھ یہ ہندوی زبان بھی وہاں کے کوچہ و بازار میں پہنچ جاتی ہے۔

پنجاب سلاطین دہلی کے عہد میں (۱۱۹۳ء-۱۵۲۶ء)

ترائن کی فیصلہ کن جنگ (۱۱۹۲ء) نے برصغیر کی تاریخ کا ورق الٹ دیا۔ ۱۱۹۳ء میں دہلی اور اجمیر مسلمانوں کے قبضے میں آئے اور چھ سال کے عرصے میں بنگال تک سارا شمالی ہند اُن کے زیر نگیں آ گیا۔ سلطان نے مفتوحہ علاقوں میں قطب الدین ایبک کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ توسیع سلطنت کے بعد دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ تاہم پنجاب کو اس کے بعد بھی صدیوں تک سلطنت کے بیس کیمپ (Base Camp) کا درجہ حاصل رہا۔ سلطان معزالدین محمد بن سام کی شہادت (۱۲۰۶ء) کے بعد اُن کے بھتیجے سلطان غیاث الدین محمود نے قطب الدین ایبک کو سلطانی کا خطاب عطا کیا اور وہ ۱۲۰۶ء میں لاہور میں برصغیر کے پہلے خود مختار مسلم فرمانروا کے طور پر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ وہ جود و سخا کی وجہ سے عوام میں لکھ بخش کے لقب سے مشہور تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک کو اپنے معاصر والیوں تاج الدین یلدز (غزنہ) اور ناصر الدین قباچہ (سندھ و ملتان) کے جارحانہ عزائم کی وجہ سے زیادہ تر پنجاب میں رہنا پڑا اور یہیں چوگان کھیلتے ہوئے ۱۲۱۰ء میں وہ راہیے ملک عدم ہوئے۔ انہوں نے چودہ سال تک نائب السلطنت اور پانچ سال تک خود مختار حکمران کے طور پر حکومت کی۔ اُن سے خاندان غلاماں کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۲۹۰ء تک رہا اور اس کے بعد مرکز سلطنت دہلی میں مندرجہ ذیل حکمران خاندان برسر اقتدار آئے:

سلاطین خلجی : ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء
سلاطین تغلق : ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۳ء
سلاطین سادات : ۱۴۱۴ء تا ۱۴۵۰ء
سلاطین لودھی : ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

۱۔ دیباچہ غرۃ الکمال (امیر خسرو نے علاقائی زبانوں کے ضمن میں لاہوری کا ذکر الگ کیا ہے)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حکمران خاندانوں کے زمانے میں پنجاب کو سلطنت کے قیام و استحکام میں بڑی اہمیت حاصل رہی ۔ کیونکہ مرکز میں جب کوئی حکمران خاندان زوال پذیر ہوتا ، تو نیا حکمران خاندان پنجاب سے جا کر اُس کی جگہ سنبھالتا تھا ۔ اس طرح مرکز سلطنت کی رگوں میں پنجاب کا تازہ خون رواں دواں رہتا تھا ۔ دوسرے ، برصغیر کی اسلامی سلطنت کے دفاع میں پنجاب ایک اہم حصار تھا ، خصوصاً چنگیز خانی تاتاریوں کی متواتر یلغاروں نے پنجاب کو عرصۂ دراز تک میدان حرب و ضرب بنائے رکھا لیکن یہ سیلاب یہیں جذب ہو جاتا رہا ، دہلی اس کے ریلے سے محفوظ رہی ۔ سلطان شمس الدین ایلتتمش کے عہد (۱۲۱۰ء - ۱۲۳۵ء) میں چنگیز خاں نے صحرائے گوبی سے خروج کیا اور خوارزم شاہی کا خاتمہ کرکے تاتاری ٹڈی دل کی طرح ترکستان ، خراسان و ایران میں پھیل گئے ۔ چنگیز خان سلطان جلال الدین منکبرنی کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سندھ تک آیا ۔ سلطان جلال الدین دریائے سندھ عبور کرکے چند ماہ پنجاب میں رہا اور پھر ملتان ، سندھ اور مکران سے ہوتا ہوا ایران چلا گیا ۔ تاتاریوں کی اس پہلی یلغار سے پنجاب محفوظ رہا لیکن آئندہ کے لیے یہ خطرہ مسلسل بن گیا ۔ ۱۲۴۱ء میں منگولوں نے لاہور کو تسخیر کرکے اسے لوٹا اور تاراج کیا ۔ غیاث الدین بلبن نے سلطان ناصر الدین محمود کے نائب السلطنت کی حیثیت سے جہاں ملک میں نظم و نسق قائم کیا وہاں تاتاری حملوں کا سدباب کرنے کے لیے پنجاب کے اکثر شہروں میں مضبوط قلعے بنائے اور یہاں سامان حرب و ضرب سے لیس افواج مقرر کیں ۔ دفاعی نظام کو بہتر بنانے کے علاوہ بلبن نے تاتاریوں سے دوستانہ مراسم قائم کرنے کی بھی کوشش کی اور ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں کے دربار میں سفیر بھیجے ۔ بلبن نے بیس سال تک نائب السلطنت کی حیثیت سے اور اکیس سال تک (۶۶ - ۱۲۸۷ء) سلطان کی حیثیت سے برصغیر میں بڑے رعب و دبدبے اور دانش و حکمت سے حکومت کی ۔ پنجاب کو اُس کے عہد وزارت و سلطنت میں عسکری لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ۔ تاتاری بار بار یہاں آتے اور اس دفاعی حصار سے ٹکرا ٹکرا کر واپس چلے جاتے ۔ اسی حرب و پیکار میں بلبن کا بہادر اور لائق فرزند سلطان محمد ۱۲۸۶ء میں لاہور اور دیپالپور کے درمیان تاتاریوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا ۔ امیر خسرو اور امیر حسن سجزی نے اس واقعہ پر بڑے پردرد مرثیے لکھے ۔ سلطان کو اپنے بہادر فرزند اور ولی عہد کی شہادت کا اتنا رنج ہوا کہ بقیہ عمر اُس نے بڑے غم و اندوہ میں گزار کر جان جاں آفریں کے سپرد کی ۔

بلبن کے بعد اُس کے کمزور جانشین زیادہ دیر تک کاروبار سلطنت نہ چلا سکے اور مرکز کے سیاسی خلا کو جلال الدین فیروز خلجی نے پر کیا جو ملتان اور سندھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے گورنر کی حیثیت سے منگولوں کے خلاف جنگ میں نام پیدا کر چکا تھا ۔ خلجی خاندان کے برسر اقتدار آنے سے ایک نیا دور شروع ہوا ۔ اس خاندان کے دوسرے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶ء) میں جنوبی ہند (دکن) فتح ہو کر سلطنت کا حصہ بنا ۔ منگولوں کے حملے اس دور میں بھی بڑی شدت سے جاری رہے ۔ علاء الدین خلجی نے اپنے آزمودہ کار جرنیل غازی الملک کو پنجاب کا والی مقرر کیا جس نے منگولوں کو پے در پے شکستیں دے کر اُن کا رخ موڑ دیا ۔ علائی عہد فتوحات (دکن و گجرات) کے علاوہ علوم و فنون کی ترقی کے لیے تاریخ میں مشہور ہے ۔ تاہم ان سیاسی اور تہذیبی سرگرمیوں کا مرکز دہلی تھا ۔ پنجاب کی حیثیت ایک سرحدی چھاؤنی کی تھی جہاں غازی الملک (غیاث الدین تغلق) نے مضبوط دفاعی حصار قائم کیا ہوا تھا ۔ علاء الدین خلجی کے انتقال کے بعد سلطنت میں اختلال رونما ہوا ۔ ایک برائے نام نو مسلم خسرو خاں نے اقتدار پر قبضہ کرکے غلبہ ٔ ہنود کی راہ ہموار کرنی شروع کی ۔ غازی الملک نے پنجاب سے اُٹھ کر اُسے شکست دی اور ۱۳۲۰ء میں تغلق سلطنت کی بنیاد رکھی ۔ غازی الملک سلطان غیاث الدین تغلق کی ماں پنجاب کے ایک جاٹ قبیلے سے تھی ۔ اُس کی زندگی کا بیشتر حصہ پنجاب میں گزرا تھا ۔ ۱۳۰۵ء میں سلطان علاء الدین نے اُس کی شجاعت اور تدبر کی وجہ سے اُسے دیپالپور کا والی مقرر کیا ۔ اُس نے منگولوں کے خلاف ۲۹ جنگیں لڑیں اور انھیں شکستیں دیں ۔ سریر آرائے سلطنت ہو کر اُس نے اپنے تدبر اور دانشمندی سے چند برسوں میں سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی کو دور کیا اور مرکز کو دوبارہ مضبوط بنا دیا ۔ اُس کا جانشین سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء - ۱۳۵۱ء) تاریخ کا ایک عظیم مدبر حکمران تھا لیکن اُس کی دانشمندانہ منصوبہ بندیوں کی ناکامی نے اُسے بدنام کر دیا ۔ اُس نے ۱۳۲۷ء میں دولت آباد (دیوگری) کو دارالسلطنت بنایا ۔ پنجاب کی دفاعی اہمیت کم ہوئی تو ۱۳۲۹ء میں منگول یلغار کرتے ہوئے نواح دہلی میں پہنچ گئے جنھیں کثیر زر و مال دے کر ٹالا گیا ۔ سلطان کی مہمات اور منصوبوں کی ناکامی کی وجہ سے آخر عمر میں جنوبی ہند اور بنگال کے علاقے خود مختار ہوگئے تاہم پنجاب میں تغلقوں کا اقتدار محفوظ رہا اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے طویل عہد (۱۳۵۱ء - ۱۳۸۸ء) میں مرکز کے علاوہ یہاں بھی نئے شہر بسائے گئے ، عمارتیں تعمیر ہوئیں ، نہریں کھودی گئیں جن سے زمین سرسبز و شاداب ہوئی اور باغات لگائے گئے ۔ فیروز تغلق کے عہد میں حدود سلطنت سمٹ گئی تھیں لیکن یہ دور خوشحالی اور فارغ البالی کا تھا جس میں پنجاب بھی شریک تھا ۔ اُس کے بعد ۱۴۱۳ء تک چار تغلق سلاطین یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آئے لیکن سلطنت میں ضعف آ چکا تھا ۔ ۱۳۹۸ء - ۱۳۹۹ء میں امیر تیمور نے حملہ کیا اور لاہور و دیپالپور پر قبضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے بعد دہلی کی طرف بڑھا ۔ سلطان محمود تغلق نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گجرات کی راہ لی ۔ ۱۸ دسمبر ۱۳۹۸ء کو تیمور فاتحانہ دہلی میں داخل ہوا اور پانچ روز تک یہاں قتل عام جاری رہا ۔ دہلی کے بعد گرد و نواح کے علاقوں پر تاخت کرکے تیموری لشکر واپس ہوا ۔ تیمور نے واپسی پر لاہور ، ملتان اور دیپالپور کو خضر خاں کے سپرد کیا اور خود سمرقند کا رخ کیا ۔ تیموری تاخت و تاراج کے اثرات مرکز سلطنت اور پنجاب میں عرصے تک محسوس کیے گئے ۔ محمود تغلق (وفات ۱۴۱۳ء) اپنے دارالحکومت میں واپس آیا لیکن نظام سلطنت اس سے بحال نہ ہو سکا ۔

پنجاب کے حاکم خضر خاں نے ۱۴۱۴ء میں دہلی کو فتح کرکے یہاں خاندان سادات کی حکومت قائم کی ۔ اس خاندان کے چار سلاطین نے ۳۷ سال تک دہلی اور اس کے گرد و نواح میں حکومت کی ۔ وہ سلطنت دہلی کی قدیم حشمت بحال نہ کر سکے ۔ سادات اپنے آپ کو امیر تیمور کا نائب سمجھتے تھے ۔ اس دوران پنجاب میں لودھی افغانوں کو اقتدار حاصل ہوا ۔ دیپالپور اور سرہند کے والی بہلول لودھی نے ۱۴۵۱ء میں دہلی پر قبضہ کیا ۔ آخری سادات حکمران علاء الدین عالم شاہ بدایوں چلا گیا تھا اور کاروبار سلطنت سے دستبردار ہوگیا تھا ۔ بہلول لودھی نے اپنے تدبر اور دانشمندی سے مرکز سلطنت کے وقار کو بحال کیا ۔ باغی امرا کی سرکوبی کرکے جونپور تک کھوئے ہوئے علاقے فتح کیے اور اپنے عہد (۱۴۵۱ء - ۱۴۸۸ء) میں شمالی ہند میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ مضبوط کرکے پہلی افغان حکومت قائم کی ۔ بہلول لودھی ایک فراخ دل اور سادا مزاج حکمران تھا ۔ اُس نے نظم و نسق کو قائم کیا اور عدل و انصاف کو جاری کیا ۔ اُس کے عہد میں زراعت اور تجارت کو ترقی ہوئی ۔ پنجاب میں پٹھانوں کی بہت سی بستیاں آباد ہوئیں ۔ سکندر لودھی (۱۴۸۸ء - ۱۵۱۷ء) نے بھی اپنے باپ کے اس کام کو جاری رکھا اور فتوحات کے حصول کے علاوہ نظم و ضبط قائم کیا ۔ اُس نے ۱۵۰۴ء میں نیا دارالحکومت سکندر آباد (آگرہ) تعمیر کیا ۔ سکندر لودھی کے بعد اُس کا بڑا لڑکا ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا جو اس خاندان کا آخری تاجدار تھا ۔ اُس کے بھائیوں اور اُمرا نے بغاوتیں کیں ۔ پنجاب کے گورنر دولت خاں لودھی نے کابل سے ظہیر الدین بابر کو دہلی پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی جسے قبول کرکے بابر یہاں آیا ۔ ۱۵۲۴ء میں بابر نے لاہور پر قبضہ کیا اور اس شہر کو لوٹ کر واپس ہوا ۔ ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کی پہلی تاریخی جنگ ہوئی جس میں سلطان ابراہیم کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا ۔ بابر نے دہلی و آگرہ پر قبضہ کرکے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی ۔

ترک و افغان سلاطین کا یہ پانچ سو سالہ دور (جس میں پونے دو سو سال تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان پنجاب تک محدود رہے اور بعد میں دہلی مرکز سلطنت رہا) اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس طویل عرصے میں پنجاب سیاسی قوت کا سرچشمہ رہا ۔ ابتدائی فاتحین اگرچہ نسلاً ترک تھے لیکن غزنی سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد برصغیر میں انھیں طاقت کے اعتبار سے خود کفیل ہونا پڑا ۔ تاتاریوں کی یلغار کے نتیجے میں وسط ایشیا ، خراسان ، ایران تباہ و برباد ہوگئے ۔ مرکز خلافت بغداد کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے بعد ایشیا میں مسلمانوں کے لیے برصغیر ہی ایک گوشۂ عافیت تھا ۔ یہاں کے مسلمانوں نے نہ صرف تباہ حال مہاجرین کو پناہ دی بلکہ اپنی حفاظت کا سامان بھی کیا اور تاتاریوں کی وحشیانہ یلغاروں کو پنجاب کے میدانوں میں روک کر ان کا رخ پھیر دیا ۔ مرکز سلطنت میں جب کوئی سیاسی بحران پیدا ہوا تو پنجاب نے اسے بھی دور کرکے مرکزی حکومت کے وقار کو بحال کیا ۔ اس لحاظ سے سلاطین دہلی کے درباروں اور دارالسلطنت میں اہل پنجاب کا اثر و رسوخ مسلم تھا ۔ اس عہد میں ملتان ، دیپالپور ، لاہور اور سرہند پنجاب کے اہم مراکز تھے ۔ دیپالپور کو دور سلاطین میں پنجاب کے دارالحکومت کی حیثیت حاصل تھی ۔ اگر پانچ سو سال کے اس طویل زمانے میں دہلی اور پنجاب کی زبان میں کوئی زیادہ مغائرت پیدا نہ ہوئی تو اس کی ایک بڑی وجہ اہل پنجاب کی مرکز میں اثر پذیری تھی ۔ مغلیہ دور میں پنجاب کی یہ سیاسی اہمیت کم ہوگئی ۔ کیونکہ پانچ سو سال کے بعد یہ پہلا خاندان تھا جو پنجاب کی بجائے وسط ایشیا سے آ کر یہاں حکمران بنا اور اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے نئی حکمت عملی وضع کرنی پڑی جس کے باعث پنجاب پر انحصار کم ہوگیا اور پنجاب Base Camp کی بجائے کابل ، قندھار اور کشمیر آنے جانے کے لیے ایک گزر گاہ یا پڑاؤ Transit Camp بن گیا ۔

ابتدائی ترک سلاطین نے اپنی ترکانہ خصوصیات (شوکت و تجمل ، شجاعت و بہادری ، مہم جوئی و خطر پسندی) اور اسلامی عصبیت کو بڑی شدت سے برقرار رکھا ۔ یہ لوگ فاتح تھے اور ایک عظیم الشان تہذیب و تمدن کے نمائندے بن کر یہاں آئے تھے جس میں عرب کا سوز اور عجم کا ساز مل کر ایک نیا اسلوب حیات (جلال و جمال) نمایاں ہو رہا تھا ۔ یہ اس زمانے کی ترقی یافتہ اور برتر تہذیب تھی جس کے سامنے وحشی تاتاری بھی زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے ۔ عربی ، فارسی ، ترکی زبانیں اور ان کا ادب اس تہذیب کی نمائندگی کر رہا تھا ۔ اس کے مقابلے میں برصغیر صدیوں سے سیاسی ، ذہنی اور فکری انتشار میں مبتلا تھا ۔ ہندو تہذیب طبقاتی اونچ نیچ کی وجہ سے پسماندگی کا شکار تھی جو مسلمانوں سے قبل آنے والے نیم وحشی فاتحین کو تو اپنے اندر جذب کر لیتی رہی لیکن نئے فاتحین کے سامنے اس تہذیب کا چراغ نہیں جل سکتا تھا جو توحید کے عقیدے کے ساتھ انسانی اخوت و مساوات کا پیغام لے کر یہاں آئے تھے ۔ تاہم ہندو معاشرہ ذات پات کے بندھنوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جس طرح جکڑا ہوا تھا اُس کا اسلامی معاشرے اور تہذیب کے اندر جذب ہو جانا بھی اتنا آسان نہیں تھا ۔ اس لیے قدرتی طور پر شروع میں فاتح و مفتوح میں سخت مغائرت رہی ۔ فاتح اپنی قوت و حشمت اور تہذیبی برتری میں سرشار تھے تو مفتوح حیرت و شرمساری میں گرفتار ، لیکن فاتحین نے مقامی ہندو رعایا سے نرمی ، کشادہ دلی اور مہربانی کا سلوک کرکے ڈر اور خوف کی فضا کو بہت جلد دور کر دیا ۔ خلجی ، تغلق ، سادات اور لودھی عہد میں نرمی اور اعتدال کے مسلک میں اور بھی وسعت پیدا ہوئی اور حکمران اپنی ہندو اور مسلم ساری رعایا سے یکساں عدل و انصاف کرنے اور اُن کے حقوق کا خیال رکھنے لگے ۔ حکمرانوں کی کشور کشائی اور جہاں بانی سے الگ معاشرتی روابط اور تہذیبی و فکری نفوذ کا ایک دوسرا میدان بھی تھا ۔ صوفیا و مشائخ کے متعدد سلسلوں نے تبلیغ دین اور تسخیر قلوب کے لیے برصغیر کے مختلف گوشوں میں روحانی مراکز قائم کیے ۔ پنجاب میں غزنوی عہد کے بعد ملتان ، اوچھ اور پاک پتن (اجودھن) بڑے روحانی مرکز بنے ۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی (۱۱۸۲ء - ۱۲۶۴ء) نے مرکز رشد و ہدایت قائم کیا ۔ اُن کے فرزند مولانا صدر الدین (وفات ۱۲۸۵ء) اور پوتے رکن عالم ابوالفتح (وفات ۱۳۳۴ء) نے مغربی پنجاب ، سندھ اور بلوچستان میں تبلیغ دین کی خدمات سر انجام دیں ۔ پانچ دریاؤں کے سنگم پنج ند کے قریب اُوچ شریف میں شیخ بہاء الدین زکریا کے خلیفہ سید جلال الدین منیر بخاری (وفات ۱۲۹۱ء) اور اُن کے پوتوں مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۱۳۸۶ء) اور صدر الدین راجو قتال (وفات ۸۲۷ھ م ۱۴۲۴ء) نے اشاعت اسلام میں سرگرم حصہ لیا ۔ ان بزرگان دین کی بدولت پنجاب کے بہت سے راجپوت اور جاٹ قبائل (کھرل ، جویہ ، نون وغیرہ) مسلمان ہوئے ۔ بابا فرید الدین گنج شکر ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی دونوں بزرگوں کے جانشین و خلیفہ تھے ۔ اُن کے آبا و اجداد چنگیزی حملے کے دوران کابل سے ہجرت کرکے ملتان آئے تھے ۔ اُن کے دادا ملتان کے نزدیک کھوتوال میں قاضی تھے اور یہیں بابا فرید پیدا ہوئے ۔ مرشد (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت (۱۲۳۵ء) کے بعد آپ اجودھن چلے آئے یہ جگہ اُس زمانے میں ویرانہ اور جنگل تھی ۔ آپ نے یہیں ڈیرہ ڈالا ، جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا کر گزر اوقات کی اور اپنی وفات (۱۲۶۵ء) تک یہیں بیعت و ارشاد اور یاد الٰہی میں مصروف رہے ۔ مغربی پاکستان کے بڑے بڑے قبیلے (سیال ، وٹو وغیرہ) آپ کے ذریعے مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ مغربی پنجاب میں اشاعت اسلام کے علاوہ حضرت بابا فرید چشتیہ سلسلے کی دو بڑی شاخوں صابریہ و نظامیہ کے موسسوں مخدوم علاء الدین صابر اور نظام الدین اولیا کے مرشد تھے ۔ شیخ جمال ہانسوی اور شیخ امام الحق سیالکوٹی بھی آپ کے خلفاء تھے جنھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کی شمع روشن کی اور اسلام کا نور اس خطے میں پھیلایا ۔ دور سلاطین میں ان بزرگان دین کے مجاہدے و ریاضت اور رابطۂ عوام سے پنجاب میں اسلام کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی اور یہاں اسلامی تہذیب و معاشرت کے نقوش اجاگر ہونے لگے ۔ توحید کے نغموں نے انسانی مساوات اور بھائی چارے کا سبق عوام کے دلوں میں پیدا کیا ۔ زبان و ادب میں اسلام کے روحانی و اخلاقی تصورات منعکس ہوئے ۔ بابا فرید گنج شکر کے بعض اقوال و ارشادات فارسی تذکروں میں ملتے ہیں جو اردو زبان کا ابتدائی نمونہ ہیں ۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان درویشوں کے آستانوں میں رشد و ہدایت کے لیے عوامی بھاشاؤں سے کام لیا جاتا تھا اور یہاں کی مقامی بولیوں پر اسلامی تہذیب و معاشرت کے اثرات روز بروز گہرے ہوتے جا رہے تھے ۔

اسی زمانے میں برصغیر میں ہندوؤں میں بھی مختلف مذہبی و معاشرتی تحریکیں ابھریں جو براہ راست ان بزرگان اسلام کی تبلیغی کاوشوں اور اسلامی افکار سے متاثر تھیں ۔ رامانند کی بھگتی تحریک کے پھیلنے کا زمانہ تقریباً چودھویں صدی عیسوی ہے ۔ اس کے فوراً بعد ہی دوآب میں کبیر پنتھی اور پنجاب میں نانک پنتھی سلسلے شروع ہوتے ہیں ۔ ان مذہبی و معاشرتی تحریکوں کے بانیوں کے نزدیک ہندو سماج کا ذات پات پر مبنی نظام ناپسندیدہ اور عقائد کا طلسماتی سلسلہ ناقابل فہم تھا ۔ انھوں نے کچھ خیالات مسلمان صوفیا و مشائخ سے مستعار لیے اور کچھ ہندوانہ افکار انھیں ورثے میں ملے ۔ اس طرح اسلام اور ہندومت کے بین بین انھوں نے اپنے خیال میں ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس میں مذاہب کی باہمی نزاع ختم ہو سکے ۔ کبیر تو ایک خیال پرست شاعر تھا جس نے اپنے صلح کل جذبات کو اشعار کا جامہ پہنا کر اپنے پیروکاروں کو سرشار کیا ۔ اس کے برعکس بابا نانک اپنے مسلک میں عملی اور اخلاقی راہ اختیار کرکے ایک نئے مذہبی طریق کی بنا استوار کرتے ہیں ۔ بابا نانک ۱۴۶۹ء میں تلونڈی (ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے ۔ ان کے اقوال و افکار سے ظاہر ہے کہ وہ اسلام سے ازحد متاثر تھے ۔ انھوں نے مسلمان صوفیا کی صحبت میں رہ کر اور بلاد اسلامی کی سیاحت کے دوران فکر اسلامی کا مطالعہ کیا اور اپنے مذہبی تصورات کی بنیاد عقیدۂ توحید پر رکھی : ”صرف ایک راستہ دربار الٰہی کی طرف جاتا ہے جہاں ایک مالک ازلی مسند نشیں ہے ۔“ بقول ڈاکٹر تارا چند : ”جو مذہبی تحریک نانک نے شروع کی تھی وہ اس کے جانشینوں کے زیر سایہ برابر زور پکڑتی چلی گئی ۔ اس تحریک کا سخت اخلاقی معیار اور انتہا درجے کی مذہبی احتیاط ایسے عناصر تھے جنھوں نے ہندوستان میں اسی قسم کی اور دوسری تحریکوں سے اس کو ممتاز کر دیا تھا ۔ اس تحریک کی عدم مصالحت کی روح کے ساتھ قتل و مقاتلے اور ایک منظم مذہب کے قیام کے امکانات وابستہ تھے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد مغلیہ کے دور مابعد کے غیر مطمئن سیاسی حالات نے ان امکانات کو ابھرنے کا موقع دیا اور جن باتوں کی توقع تھی وہ ظاہر ہوئیں ۔ بعد میں آنے والے گرو ناگزیر طور پر سیاسیات کے چکر میں پھنس گئے اور انھوں نے مذہبی جماعت کو بدل کر فوجی معاشرہ بنا دیا ۔''۱

بھگتی اور نانک پنتھی تحریکیں اگرچہ ہندو سماج کی طبقاتی جکڑ بندیوں سے بے اطمینانی کا نتیجہ اور اسلام کی سیدھی سادی تعلیمات (توحید ، انسانی مساوات اور بھائی چارہ) سے متاثر تھیں لیکن اس بغاوت سے ہندو مت کو نقصان کی بجائے فائدہ ہی پہنچا ۔ درحقیقت ان تحریکوں نے ہندو مت اور اسلام کے درمیان ایک ایسا حصار تعمیر کر دیا کہ ہندو سماج کے ستائے اور دھتکارے ہوئے عوام الناس اسلام کی آغوش میں جانے اور ایک نئے معاشرتی نظام کا حصہ بننے کی بجائے اس درمیانی حصار میں رہ کر اپنے جذبات کی تسکین کا سامان بھی ڈھونڈ لیتے تھے اور معاشرتی لحاظ سے اپنے قدیم مسلک (ہندومت) سے بھی منسلک رہتے تھے ۔ چنانچہ زمانۂ مابعد میں یہ نئے مذہبی سلسلے اپنی جداگانہ ہستی رکھتے ہوئے بھی عملاً ہندو سماج کا حصہ تصور کیے گئے ۔ سلطانی دور میں مذہبی آزاد خیالی کے اس مسلک نے ہندومت کے طلسماتی قلعے کو تحفظ دے کر اسلام کی تبلیغی یلغار سے محفوظ کر دیا ۔ آئندہ زمانے (مغل دور میں) مشائخ و علما کی تبلیغی سرگرمیوں میں بھی وہ جوش و خروش باقی نہ رہا جو ہم سلطانی دور میں دیکھتے ہیں ۔ بلکہ مذہبی رواداری کے نام پر وسیع المشربی کا ایک ایسا صوفیانہ مسلک شروع ہوا جس میں پنتھوں کے گورو صاحبان اور مسلمان صوفیا ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور مغل فرمانروا بھی اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اسی مسلک کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔

مغلوں کے زیر سایہ : (۱۵۲۶ء - ۱۷۰۷ء)

پانی پت کی پہلی جنگ (۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء) کے بعد فتح مند بابر نے دہلی و آگرہ پہنچ کر مغل بادشاہت کی بنیاد رکھی ۔ بابر کا جد امجد تیمور سوا سو سال قبل دہلی فتح کر چکا تھا لیکن اُس نے برصغیر کے مفتوحہ علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کیا تھا ۔ بابر نے وسط ایشیا میں اپنی موروثی سلطنت (سمرقند) کے حصول میں ناکام ہوکر ہندوستان میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا اور اس مقصد میں وہ کامیاب رہا ۔ اس لحاظ سے برصغیر میں پانچ سو سال کے بعد یہ پہلا خاندان تھا جو وسط ایشیا سے آ کر یہاں حکمران ہوا تھا ۔ پہلے فرمانروا سلاطین کہلاتے تھے (اور بعض سلاطین کو دربار خلافت سے خلعت و فرمان بھی عطا ہوتے رہے) لیکن بابر

۱۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات (ترجمہ) مسعود احمد ، ص ۲۸۸ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس سلسلے کو منقطع کرکے بادشاہ کا لقب اختیار کیا ۔ تاہم مغل بادشاہت کو اپنے استحکام کے لیے ابھی کچھ صبر آزما مراحل سے گزرنا تھا ۔ پہلا مرحلہ راجپوتوں کی متحدہ قوت سے ٹکراؤ تھا جو میواڑ کے رانا سانگا کی قیادت میں غلبۂ ہنود کے لیے کوشاں تھی ۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بھی راجپوت راجاؤں نے کبھی کبھار سر اٹھایا لیکن سلطان محمود ، معز الدین محمد بن سام اور اُن کے بعد بلبن ، علاء الدین خلجی ، محمد تغلق جیسے کشور کشاؤں نے برصغیر میں رعب و دبدبے کی فضا قائم کرکے صدیوں تک ہنود پر ایسی ہیبت طاری کیے رکھی کہ مقامی راجاؤں کو راجستھان سے باہر نکلنے اور متحدہ محاذ بنانے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی ۔ سلطان ابراہیم لودھی کے خلاف بابر کو دعوت دینے والوں میں بعض لودھی سرداروں کے علاوہ رانا سانگا بھی شامل تھا ۔ اُس کا خیال تھا بابر بھی تیمور کی طرح فتح کے بعد لوٹ مار کرکے واپس چلا جائے گا اور میدان اُس کے لیے خالی ہوگا ۔ اس لیے وہ پانی پت کی جنگ میں الگ تھلگ رہ کر نتائج کا منتظر رہا ۔ جب فتح کے بعد بابر نے یہاں بادشاہت کی طرح ڈالی تو رانا سانگا ایک لاکھ راجپوتوں کے لشکر جرار کے ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں نکل آیا ۔ بابر کے لیے یہ معرکہ آرائی پہلے سے کہیں زیادہ دشوار تھی ۔ چنانچہ اس معرکے میں اُس نے مادی وسائل سے زیادہ روحانی اقدار کا سہارا لیا ، شراب سے توبہ کی اور اسلام کے نام پر جہاد کا اعلان کیا ۔ اس جذب و شوق کا نتیجہ تھا کہ کنواہہ کی فیصلہ کن جنگ (۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء) نے مسلمانوں کو کامیاب اور راجپوتوں کی متحدہ قوت کو پاش پاش کر دیا ۔

دوسرا مرحلہ افغانوں کی مخاصمت کا تھا ۔ پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی تھی لیکن افغان سرداروں نے ابھی حوصلہ نہیں ہارا تھا اور اپنے اقتدار کی بازیافت کے لیے اُن کی کوششیں جاری تھیں جن کا خمیازہ بابر کے جانشین ہمایوں کو بھگتنا پڑا ۔ تیسرا مرحلہ برصغیر کے عوام سے رابطے کا تھا جو صدیوں سے منگولوں کی یلغاروں کے خوگر تھے اور بابر اور اُس کے لشکر کو بھی اسی قسم کے حملہ آور سمجھ رہے تھے ۔ یہ خوف دور کرکے عوام کے دلوں میں جگہ بنانی بھی بادشاہت کی کامیابی کے لیے ضروری تھی ۔ چنانچہ بابر نے اپنی وفات (۱۵۳۰ء) سے پہلے ہمایوں کو رعایا کے مختلف عناصر سے روا داری اور انصاف سے پیش آنے کی نصیحت کی اور ساتھ ہی بھائیوں سے فیاضانہ سلوک کرنے لیکن اُن پر کڑی نگاہ رکھنے کی تلقین کی ۔ یہ دونوں امور آئندہ مغل بادشاہت کے لیے بڑی اہمیت کے حامل رہے ۔

ہمایوں نے تخت نشین ہو کر باپ کی نصیحت کے مطابق سوتیلے بھائیوں سے فیاضانہ سلوک کیا اور سلطنت کے مختلف حصے اُن کو دے دیے ۔ پنجاب ، کابل اور قندھار مرزا کامران کی تحویل میں تھے ۔ ہمایوں راجپوتانہ اور گجرات کی تسخیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مصروف تھا ۔ اُدھر شیر خان بلاد شرقیہ میں افغانوں کی قوت مجتمع کرکے اُس کے لیے بہت بڑا خطرہ بن رہا تھا ، ادھر بھائی اُس سے بے وفائی کر رہے تھے۔ بالآخر شیر خاں کے مقابلے میں ہمایوں کو ہزیمت اٹھا کر تخت و تاج سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ۱۵۴۰ء میں آگرہ و دہلی کو خیر باد کہہ کر وہ لاہور آیا۔ بھائی مشکل میں ساتھ دینے کی بجائے دشمنی پر تلے ہوئے تھے ۔ ہمایوں نے پنجاب سے سندھ اور وہاں سے بلوچستان کی راہ ایران کا رخ کیا ۔ شیر شاہ سوری (وفات ۱۵۴۵ء) اور اُس کے جانشین پندرہ سال تک شمالی ہند میں حکمرانی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں واپس آ کر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی میں کامیاب ہوا ۔ لیکن دوبارہ تخت نشینی کے چند ماہ بعد محل کے زینے سے پھسل کر وفات پائی (۱۵۵۶ء)۔ ہمایوں کی رحلت کے وقت اکبر اپنے اتالیق بیرم خاں کے ہمراہ پنجاب میں تھا ۔ کلانور کے مقام پر اُس کی تخت نشینی ہوئی ۔ اس مرحلے پر آگرہ و دہلی پھر مغلوں کے قبضے سے نکل گئے اور عادل شاہ سوری کے ہندو وزیر ہیمو بقال نے یہاں کے مغل گورنروں کو شکست دے کر راجہ بکرماجیت کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا ۔ راجپوت راجے اور افغان سردار بھی اُس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہوگئے ۔ مغلوں کے لیے یہ بہت نازک وقت تھا ۔ اکثر چغتائی سردار واپس کابل جانے کو تیار تھے لیکن بیرم خاں نے مقابلے کا فیصلہ کیا اور خورد سال اکبر نے اس سے اتفاق کیا ۔ ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو پانی پت کی دوسری جنگ ہوئی ۔ ہیمو بقال اور اُس کی ہندو اور افغان افواج کو شکست فاش ہوئی ۔ دہلی ، آگرہ اور اس کے ساتھ ہی سارا شمالی ہند پھر مغلوں کے قبضے میں آ گیا اور اُن کے قدم مضبوطی سے یہاں جم گئے ۔ اکبر بادشاہ سے مغل شہنشاہیت کا وہ عظیم الشان دور شروع ہوا جس میں جہانگیر ، شاہجہان ، عالمگیر کے عہد تک سلطنت کی حدود پھیلتی ہی چلی گئیں اور استحکام ، خوشحالی اور فارغ البالی کے اعتبار سے یہ تاریخ کا مثالی دور بن گیا ۔ اکبر کے عہد میں کشمیر ۱۵۸۶ء میں فتح ہوا ۔ سندھ ۱۵۹۱ء میں اور بلوچستان ۱۵۹۵ء میں ملحق کیے گئے ۔ شمال مغرب میں کابل ، قندھار اور بدخشاں سے لے کر مشرق میں بنگال و بہار اور جنوب میں گجرات ، خاندیش ، برار اور احمد نگر سلطنت کا حصہ بنے ۔ دکن کی مہمات اورنگ زیب کے عہد میں مکمل ہوئیں اور پہلی بار برصغیر کی حدود میں اتنی وسعت آئی کہ جس کی مثال نہ اسلامی عہد سے پہلے ملتی ہے نہ بعد میں انگریزی اقتدار کے زمانے میں !

مغلوں کے اس درخشاں عہد میں ''لاہور کا ستارۂ عروج و اقبال چمکا ۔ بابر کے جانشینوں نے لاہور کو خوب رونق دی اور اسے واقعی ایک تختۂ گلزار بنا دیا ۔ ہمایوں نے پنجاب ، کابل ، قندھار اپنے چھوٹے بھائی کامران کو دیے ۔ کامران نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہور میں خوشنما عمارتیں بنوائیں"۱ شیر شاہ سوری نے ۱۵۴۰ء میں پنجاب پر قبضہ کیا تو لاہور سے اٹک اور دہلی تک شاہراہ اعظم تعمیر کی جو آگے بنگال تک چلی گئی۔ لاہور اور ملتان کے درمیان بھی پختہ سڑک بنوائی اور ان سڑکوں پر جگہ جگہ کاروان سرائیں، چوکیاں بنائیں اور درخت لگوائے۔ جہلم کے قریب قلعہ رہتاس بنایا تاکہ اس علاقے میں امن و امان قائم ہو۔ ہمایوں کی واپسی پر کچھ عرصہ پنجاب میں ہل چل رہی اور اس کے بعد آگرہ مغلوں کا مرکز حکومت بن گیا اور دہلی و آگرہ کے علاقوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ پنجاب اب نہ سرحدی علاقہ تھا اور نہ مرکزی مقام، اس لیے اس صوبے کی دفاعی اور سیاسی لحاظ سے وہ اہمیت نہ رہی جو سلاطین دہلی کے زمانے میں تھی۔ تاہم پنجاب مرکز سلطنت کے قریب تھا اور دارالحکومت سے کشمیر، کابل، بدخشاں، قندھار، سندھ اور بلوچستان جاتے ہوئے ایک اہم پڑاؤ تھا جہاں سے کبھی کبھی شاہی قافلے بھی گزرتے تھے۔ اس لیے اس شاہی گزرگاہ (پنجاب کے مرکز لاہور) کو مغلوں کے دور اقتدار میں بڑی رونق حاصل ہوئی۔ اکبر ۱۵۸۴ء اور ۱۵۹۸ء کے دوران لاہور میں رہا اور قلعۂ لاہور کی تعمیر کروائی۔ جہانگیر اور شاہجہان کشمیر آتے جاتے لاہور میں قیام کرتے۔ جہانگیر کی وفات ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے آتے ہوئے راجوری میں ہوئی تو اس کا مدفن لاہور بنا۔ نورجہان نے اپنی بیوگی کا زمانہ یہیں گزار کر ۱۶۴۶ء میں انتقال کیا اور اپنے مرحوم شوہر کے قریب شاہدرہ میں دفن ہوئیں۔ شاہجہان کے عہد میں شالیمار باغ، مسجد وزیر خاں (۱۰۴۵ھ) اور بہت سی دوسری عمارات تعمیر ہوئیں۔ دارا شکوہ کو بھی لاہور سے بڑا انس تھا کیونکہ اس کے مرشد میاں میر یہیں تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو اپنی دکن کی مہمات کی وجہ سے ادھر آنے کے مواقع کم ملے۔ تاہم اُن کے عہد میں پنجاب امن و عافیت کا گہوارہ بنا رہا۔ عالمگیر نے بادشاہی مسجد تعمیر کروا کے (۱۰۸۴ھ) لاہور کے حسن میں اضافہ کیا اور راوی پر کئی میل لمبا پختہ بند بنوا کر شہر کو سیلاب سے محفوظ کیا۔ اگرچہ وسیع و عریض مغل سلطنت میں پنجاب اپنی سابق سیاسی اہمیت کا حامل نہ رہا تھا لیکن خوشحالی و فارغ البالی میں یہ صوبہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھا۔ ثقافتی و تہذیبی لحاظ سے اس دور میں پنجاب نے بھی بڑی ترقی کی۔ سلطنت کے مراکز آگرہ اور دہلی میں ایرانی و تورانی اثرات کے تحت نیا ہندوستانی رنگ ثقافت ابھر رہا تھا۔ مرکز میں پنجاب کا غلبہ و اثر نسبتاً کم ہونے لگا تھا۔ اس لیے یہی زمانہ ہے جس میں پنجاب اور دہلی و آگرہ کے مابین لسانی اختلافات ابھرنے لگے اور مرکز سلطنت کا اپنا محاورہ و روزمرہ بننے لگا۔

۱۔ تاریخ پنجاب، سید محمد لطیف، صفحہ ۲۴ ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکبری دور کی سیاسی منصوبہ بندی اور مذہبی و معاشرتی حکمت عملی کا مرکز فتح پور سیکری تھا، پنجاب اس سے براہ راست متاثر نہیں ہوا۔ تاہم اس عمل اور اس کے رد عمل سے مجموعی طور پر ملکی حالات جتنے متاثر ہوئے پنجاب بھی ان سے باہر نہیں تھا۔ دور سلاطین کے آخر میں مختلف مذاہب کے درمیان رابطے کا جو عمل شروع ہوا تھا، اس کے نتیجے میں کچھ صلح کل تحریکیں ابھریں۔ ہندوؤں میں احیائی رجحان پیدا ہوا۔ اکبری دور میں یہ تحریکیں اور رجحانات ایک خاص رنگ لائے۔ اکبر نے مغل سلطنت کے استحکام کے لیے راجپوتوں سے رشتے ناطے شروع کیے اور اس کے ساتھ ہی ایک نئی مذہبی روش اختیار کی جو اس کی سیاسی حکمت کے تابع تھی۔ اکبر شروع شروع میں ایک سیدھا سادا مسلمان تھا لیکن رفتہ رفتہ سیاسی ضرورتوں اور بعض حالات نے اسے ایک نئی راہ پر ڈال دیا جس کے کچھ سیاسی فوائد بھی تھے اور بہت سے ملی نقصانات بھی تھے۔ ہندوؤں سے تعلقات بنانا اور مختلف مسلکوں اور مذہبوں کے ماننے والوں سے روا دارانہ سلوک کوئی بری بات نہ تھی لیکن یہ راہ اسلام کی ساکھ کو نقصان پہنچائے بغیر بھی اختیار کی جا سکتی تھی لیکن اکبر سے اجتہادی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے سیاست اور مذہب میں اپنی ذات کو مرکز بنا کر ایک نیا مسلک اختیار کیا جس کا خمیازہ بہ حیثیت مجموعی ملت اسلامیہ کو بھگتنا پڑا۔ اکبر نیم خواندہ لیکن زیرک حکمران تھا۔ اس نے فتحپور سیکری میں عبادت خانہ کی تعمیر (۱۵۷۵ء) کرکے وہاں مختلف مذاہب کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے مباحثے کا طریق اختیار کیا۔ علمی لحاظ سے اس میں قباحت نہ تھی لیکن عملی طور پر یہ طریق مضر ثابت ہوا۔ اس جگہ بعض علما کے باہمی مناقشوں نے اکبر کو بدظن کیا۔ اکبر کے مصاحب خوشامدی دانشوروں نے اس کے ذہن کو گمراہی کی طرف آمادہ کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ اکبر نے مجتہد بن کر من مانی مذہبی اصطلاحات و اختراعات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اکبر کا یہ طریق کار ہندوؤں کے نزدیک تو اس لحاظ سے بہتر تھا کہ اس طرح ایک دنیوی حکومت اور مذہبی رواداری کے نام پر لامذہب سا نظام ان کے لیے اسلام کے شرعی نظام عدالت و حکومت کے مقابلے میں قابل قبول تھا۔ کیونکہ اس میں ہندومت کو ہاتھ سے کچھ نہیں دینا پڑتا تھا، نقصان سراسر مسلمانوں کے اجتماعی نظام معاشرت کو پہنچتا تھا جو اپنے مرکز ثقل (شریعت) سے ہٹ کر اپنی ہستی سے بیگانہ ہو جاتا تھا لیکن یہ مسلک اکبری دانشوروں کے حلقے اور بعض خوشامدی مصاحبوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وہ اکبری امرا جو کشور کشائی میں اس کے دست و بازو تھے، اس مسلک کو ناپسند کرتے تھے۔ ملک کے مختلف حصوں میں اکبری الحاد کے خلاف شورش بھی ہوئی اور عام مسلمانوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر سخت رد عمل ہوا ۔ اسی زمانے میں برصغیر میں سلسلۂ نقشبندی کے بانی خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۶۰۳ء) دہلی پہنچے اور انھوں نے اکبری الحاد کے سدباب اور نفاذ شریعت میں امرا کی رہنمائی کی ۔ خواجہ صاحب کے مرید اور خلیفہ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی (۱۵۶۴ء - ۱۶۲۴ء) نے احیائے دین اور نفاذ شریعت کی تحریک شد و مد سے اٹھائی ۔ خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد صاحب کی کاوشوں کے نتیجے میں عہد جہانگیری میں اکبری مسلک کا قلع قمع ہوگیا ۔ مغل شہنشاہوں (جہانگیر ، شاہجہان ، اورنگ زیب عالمگیر) نے اسلامی اقدار و روایات پر عمل کرتے ہوئے مذہبی رواداری ، اعتدال کو فروغ دیا اور تمام رعایا سے بلاامتیاز عقیدہ و مسلک عدل و انصاف کو شعار بنایا ۔ عالمگیر کے عہد میں اکبری دور کے بعض خلاف شرع طریقے (بادشاہ کو سجدہ وغیرہ) بالکل ترک کر دیے گئے ۔ خان قلیچ خاں اکبری عہد کا ایک متدین امیر تھا جو اکبر کے آخری زمانے میں پنجاب کا گورنر تھا ۔ ''وہ گورنری کے زمانے میں ہر روز مدرسہ میں جا کر تین گھنٹے تک فقہ و تفسیر کا درس دیتا ، اور علوم شرعی کی ترویج کرتا ۔''[۱] خان اعظم قلیچ خاں کے بعد بھی جو امرا (مرتضیٰ خان ، خلیل اللہ خاں ، وزیر خان ، علی مردان خان ، مکرم خاں) پنجاب کے گورنر رہے انھوں نے یہاں اسلامی ماحول کو فروغ دیا ۔ نقشبندی اور قادری سلسلے کے بزرگوں نے اس دور میں پنجاب میں اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری رکھا ۔ ہندوؤں کی جارحانہ احیائی تحریکوں کے بارے میں اگرچہ نقشبندی سلسلے کے بزرگوں کا رویہ سخت تھا ، تاہم امرا کے علاوہ علما و مشائخ نے بھی پنجاب میں مذہبی رواداری کی فضا کو قائم رکھا ۔ اکبر نے گورو رامداس کو پانچ سو بیگہ اراضی عطا کی جہاں امرتسر کی بنیاد رکھی گئی ۔ مغل بادشاہ سکھ گوروؤں کی خاطر داری کرتے تھے ۔ معاصر علما و مشائخ کے بھی سکھ گوروؤں سے مہر و اخلاص کے تعلقات تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ دربار صاحب امرتسر کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر صاحب نے رکھا ۔ لیکن رفتہ رفتہ سکھ گوروؤں کا رجحان درویشی سے بڑھ کر اپنے سلسلے کے اجتماعی نظام کے قیام و استحکام کی طرف ہوگیا ۔ پانچویں گورو ارجن دیو نے عہد جہانگیری میں شہزادہ خسرو کی بغاوت میں مدد کرکے پہلی بار سیاست کے کوچے میں قدم رکھا ۔ چھٹے گورو ہرگوبند سنگھ نے سکھوں میں عسکری تنظیم کا آغاز کیا ۔ ان کے پیروؤں نے اس رجحان کو ترقی دی ۔ نویں گورو تیغ بہادر نے مغل حکومت کے خلاف باغیانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے پنجاب اور کشمیر میں قتل و غارت کا سلسلہ شروع کیا جس پر شاہی افواج نے اسے گرفتار کرکے دہلی بھیج دیا جہاں ۱۶۷۵ء

---

۱ - رود کوثر ، شیخ اکرم ، صفحہ ۱۹۵ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بغاوت اور قتل و غارت کے جرائم میں انھیں سزائے موت دی گئی ۔ اس کے بعد دسویں گورو گوبند سنگھ نے بھی پنجاب میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا ۔ اُن کے خلاف فوجی کارروائی ہوئی ۔ دو لڑکے گرفتار ہو کر قتل ہوئے ۔ بعد ازاں گورو نے اطاعت قبول کر لی اور بہادر شاہ کے دربار میں پہنچ کر اطاعت کا یقین دلایا ۔ سکھوں کا یہ آخری گورو ۱۷۰۸ء میں ایک افغان کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ پنجاب کی فضا میں اس معمولی شورش کے علاوہ ، جو عالمگیر کے آخر عہد میں ہوئی ، مجموعی طور پر امن و امان رہا ۔ اور اس فضا میں یہاں معاشرتی ، معاشی ، تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے ترقی ہوئی ۔ ثقافتی سرگرمیوں کے اصل مراکز اگرچہ دہلی و آگرہ تھے لیکن مغل امرا کی سرپرستی اور یہاں سے گزر کر کشمیر جانے والے بادشاہوں کی توجہ سے لاہور کو بھی ترقی و خوشحالی نصیب ہوئی ۔ یہاں فن تعمیر کے نادر نمونے (مقبرہ جہانگیر ، مسجد وزیر خاں ، بادشاہی مسجد) وجود میں آئے ۔ امرا کی حویلیاں ، باغات اور اکثر مقبرے حوادث زمانہ کی نذر ہوگئے لیکن بعض آثار باقیہ اس عہد کے لاہور کا بڑا خوبصورت تصور پیش کرتے ہیں ۔

مغلوں کا زوال اور سکھا شاہی دور (۱۷۰۷ء - ۱۸۴۹ء)

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مغلیہ سلطنت کی حدود پورے برصغیر کا احاطہ کرنے کے علاوہ شمال مغرب میں بدخشاں اور کابل و ہرات اور مشرق میں اراکان (برما) تک پھیلی ہوئی تھیں اور ملک میں کوئی فتنہ و فساد باقی نہیں رہا تھا ۔ لیکن احمد نگر (دکن) میں عالمگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی (۱۱۱۸ء / ۱۷۰۷ء) زوال کے سائے پھیلنے لگے ۔ مغلوں کے نظام حکومت کا سب سے نازک مسئلہ وراثت تخت و تاج کا تھا جو بابر سے لے کر عالمگیر تک ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں سر اٹھاتا رہا ۔ ہمایوں کے لیے سب سے زیادہ دردِ سر کا باعث اُس کے بھائی بنے ۔ اکبر کو بھائی (حکیم مرزا) اور فرزند (سلیم) کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ جہانگیر کو بھی اپنے بیٹوں خسرو اور خرم کی سرکشی سے واسطہ پڑا ۔ شاہجہان کی زندگی ہی میں اُس کے چاروں فرزند (دارا ، شجاع ، اورنگ زیب اور مراد) حصول تخت کے لیے نبرد آزما ہوئے ۔ تاہم ان مغل شہزادوں کی اس فطری خواہش کے خون آشام اظہار نے سلطنت کے نظم و نسق اور عام کاروبار زندگی کو زیادہ متاثر نہ ہونے دیا ۔ اول تو معرکہ آرائی کے بعد اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل شہزادہ وارث تخت و تاج بنتا ۔ پھر وہ کامیابی کے بعد اپنے حریفوں کے امرا و سرداروں کو معاف کرکے اُن کے منصب بحال رکھتا اور سلطنت کے قیام و استحکام میں اُن سے مدد لیتا ۔ اور پھر قدرت نے انھیں بادشاہت کے لیے اتنی مہلت دی کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر سکے ۔ اس لیے اُن کی تخت نشینی کے خونریز واقعات کو لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فراموش کرکے اُن کی ملکی خدمات کو سراہا ۔ لیکن عالمگیر کے بعد یہ باتیں تقریباً مفقود ہوگئیں اور تخت و تاج کے لیے جنگوں کا جو طویل سلسلہ شروع ہوا اُس نے دس پندرہ سال میں عظیم مغل سلطنت کی طنابیں ہلا کر رکھ دیں اور زوال و انحطاط کا عمل تیزی سے شروع ہوگیا ۔ اس عمل کے اثرات مختلف صوبوں میں اپنے اپنے حالات کے مطابق ہوئے ۔ ہم یہاں صرف پنجاب کے حالات پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے ۔

عالمگیر کی وفات کے بعد شہزادوں (معظم ، اعظم ، کام بخش) کے مابین حصول تخت کی جنگیں ہوئیں ۔ محمد معظم نے کامیاب ہوکر بہادر شاہ کے لقب سے تخت شاہی کو رونق بخشی ۔ اُس کا پانچ سالہ عہد راجپوتوں اور سکھوں کی شورشوں کو فرو کرنے میں گزرا ۔ پنجاب میں گورو گوبند کے بعد اُس کے ایک چیلے بندہ بیراگی نے شورش برپا کی اور کرنال و لدھیانہ کے علاقوں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور پھر ستلج پار کرکے کئی شہروں اور قصبوں کو لوٹتا ہوا لاہور تک آ پہنچا ۔ لاہور کے گورنر سید اسلم نے شہر سے نکل کر اُس کا مقابلہ کیا اور ہزیمت اٹھائی ۔ بہادر شاہ خود اس فتنے کے استیصال کے لیے پنجاب آیا ۔ بندہ بیراگی شاہی افواج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا ۔ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ اس شورش کو دبا کر اپنے چاروں بیٹوں (جہاندار ، عظیم الشان ، رفیع الشان ، جہان شاہ) سمیت لاہور میں تھا کہ اُسے پیغام اجل آ پہنچا ۔ باپ ابھی نزع کے عالم میں تھا کہ چاروں شہزادوں نے حصول تخت کے لیے جدال و قتال کا آغاز کر دیا ۔ یہ جنگ لاہور کے نواح میں راوی کے کنارے کئی روز تک جاری رہی ۔ پہلے جہاندار شاہ اور عظیم الشان کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی ۔ جس میں عظیم الشان ، اُس کے بیٹے اور بے شمار امرا و سپاہی کام آئے ، پھر جہاندار شاہ اور جہان شاہ میں تصادم ہوا ، اس میں بھی جہاندار کامیاب ہوا ۔ آخر میں رفیع الشان اور جہاندار شاہ کی افواج ٹکرائیں جس میں رفیع الشان مع اپنے تین فرزندوں کے بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا ۔ تقریباً تین ہفتے کی اس خون آشام جنگ کے بعد جس میں خون برادر پانی کی طرح بہا ، جہاندار شاہ باپ اور بھائیوں کی میتوں کو لے کر دہلی روانہ ہوا ۔ مقتول شہزادوں کی افواج منتشر کر دی گئیں ۔ نامور امرا موت کے گھاٹ اتار دیے گئے ۔ بچے کھچے امرا کو طوق و سلاسل میں جکڑ کر دہلی پہنچایا گیا ۔ اس طرح حریفان اقتدار کو خاک و خوں میں ملا کر جہاندار شاہ نے تخت شاہی پر قدم رکھا ۔

جہاندار شاہ مغلیہ خاندان کا پہلا بدترین حکمران تھا جس نے کامیابی کے بعد ذمے داری سے بے نیاز ہوکر ظلم و ستم اور عیش و نشاط کی راہ اختیار کی ۔ سلطنت کے دست و بازو امرا مقتول اور محبوس ہوئے ، اور شاہی قلعہ طوائفوں اور بھانڈوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مسکن بنا ۔ لیکن یہ دور ایک سال بھی نہ چل سکا ۔ عظیم الشان کے بیٹے فرخ سیر نے سادات بارہہ کی مدد سے بلاد شرقیہ سے آ کر جہاندار شاہ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور وہ اپنے عبرت انگیز انجام کو پہنچا ۔ فرخ سیر کے چھ سالہ عہد میں بھی کئی امرا کو قید و بند کے حوالے اور کئی مغل شہزادے نور بصارت سے محروم کر دیے گئے ۔ اقتدار پر سادات بارہہ کی گرفت مضبوط تھی ۔ فرخ سیر کے دور حکومت میں انگریزوں کو تجارتی حقوق ملے ۔ راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوتیں فرو ہوئیں ۔ لاہور کی جنگ تخت نشینی کے بعد بدنظمی و انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پنجاب میں بندہ بیراگی نے پھر سر اٹھایا ۔ اُس نے سرہند پر قبضہ کر کے وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا ۔ پھر ستلج ، بیاس اور راوی کے درمیان کئی قصبوں کو جلا کر تباہ کر دیا اور مسلمانوں کو قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا ۔ پنجاب کے مشہور علمی و ثقافتی مرکز بٹالہ میں قتل و غارت کر کے اس کے ایک حصے کو آگ لگا دی جو بعد میں اس تاخت کے نتیجے میں کھنڈے کھولے کہلاتا رہا ۔ بندہ بیراگی کی غارتگری سے لاہور بھی نہ بچ سکا ۔ فرخ سیر نے نواب عبدالصمد خاں کو لاہور کی صوبیداری پر مامور کر کے بندہ بیراگی کی سرکوبی کا حکم دیا ۔ نواب عبدالصمد نے سکھوں کو شکست دے کر گورداسپور کے قلعے میں محصور کر لیا ۔ کئی ماہ کے محاصرے کے بعد سکھوں نے ہتھیار ڈالے ۔ بندہ بیراگی اور اُس کے سرکش ہمراہی گرفتار کر کے دہلی بھیجے گئے جہاں وہ اپنے انجام کو پہنچے ۔ باقی ماندہ سکھ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے ۔ بندہ کے قتل کے بعد عرصے تک سکھوں کی شورش دب گئی ۔

مرکز میں سادات بارہہ نے فرخ سیر کو معزول و مقتول کر کے دو کمزور شہزادے (رفیع القدر اور رفیع الدرجات) تخت طاؤس پر بٹھائے جو تین تین ماہ کی نمائشی بادشاہی کر کے گزر گئے ۔ ان کے بعد ایک تیموری شہزادے روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے تخت شاہی پر بٹھایا گیا (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) ۔ اس کے دوسرے سال جلوس ہی میں بادشاہ گر سادات کا زور ٹوٹ گیا اور یہ مغل بادشاہ ۱۷۴۸ء تک تخت دہلی پر متمکن رہا ۔ اس کا دور حکومت طویل تھا لیکن اسی دور میں زوال سلطنت اپنی انتہا کو پہنچا ۔ اور صوبے خود مختار ہو گئے ۔ دہلی کے لال قلعے میں مغل بادشاہ کا اقتدار بالادست امرا کے رحم و کرم کا محتاج ہو گیا ۔ اسی زمانے میں طویل سکوت کے بعد دکن میں مرہٹوں نے سر اٹھایا اور وہ شمالی ہند تک یلغاریں کرنے لگے ۔ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور دہلی میں قتل عام کر کے اور کروڑوں کا مال غنیمت سمیٹ کر ایران لوٹا ۔ اور پھر اُس کی وفات کے بعد اُس کے ایک جرنیل احمد شاہ ابدالی نے کابل و قندھار میں اپنی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کرکے برصغیر کو مسلسل تاخت کا نشانہ بنایا۔

پنجاب میں ۱۷۱۷ء اور ۱۷۳۸ء کے درمیانی عرصے میں سکھ بالکل دبکے رہے۔ نواب عبدالصمد کے بعد اُس کا بیٹا زکریا خاں پنجاب کا گورنر ہوا۔ ان دونوں گورنروں کے عہد میں پنجاب خوش حال رہا اور یہاں فن تعمیر اور علم و ادب کو بہت فروغ ہوا۔ شرف النساء بیگم اسی نواب عبدالصمد کی دختر تھی جس نے قرآن اور شمشیر کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور وفات کے بعد یہ دونوں چیزیں حسب وصیت اُس کی لحد پر رکھی گئیں۔[۱] نومبر ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھا۔ زکریا خاں نے پہلے وزیر آباد میں مقابلہ کیا، پھر لاہور میں راوی کے پار تین روز تک مقابلہ کیا۔ ناکامی کے بعد شہر میں محصور ہوکر صلح کی درخواست کی جسے نادر شاہ نے منظور کر لیا اور شہر کو امان ملنے کے علاوہ زکریا خاں کی صوبیداری بحال رہی۔ ہندوستان سے نادر شاہ کی واپسی کے بعد سکھوں نے پھر سر نکالا اور مختلف مقامات پر گڑھیاں بنا کر انھوں نے غارت گری کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی اثنا میں زکریا خاں فوت ہوا اور اُس کا بیٹا یحییٰ خاں صوبیدار بنا۔ اس کے عہد میں سکھوں نے شورش برپا کر دی اور لاہور کے دیوان لکھپت رائے کے بھائی جسپت رائے (فوجدار ایمن آباد) کو قتل کر دیا۔ ۱۷۴۶ء میں لکھپت رائے یحییٰ خاں کی فوج کے ہمراہ سکھوں کی سرکوبی کے لیے گیا۔ سکھ جموں کی طرف بھاگ گئے۔ ایک ہزار گرفتار ہوئے جنھیں لاہور لا کر دہلی دروازے کے باہر قتل کیا گیا۔ کچھ عرصے کے لیے سکھوں کا فتنہ پھر دب گیا۔ اس کے بعد پنجاب کی گورنری کے لیے صوبیدار شہنواز خاں (نواب عبدالصمد کا پوتا) اور نواب یحییٰ خاں کے درمیان وراثت کا جھگڑا شروع ہوا۔ یحییٰ خاں شکست کھا کر دہلی بھاگ گیا اور شہنواز خاں لاہور کا والی بن بیٹھا۔ اُس نے جالندھر کے ناظم آدینہ بیگ کے مشورے سے احمد شاہ ابدالی سے موافقت کر لی اور ابدالی نے ۱۷۴۸ء میں برصغیر پر اپنے حملوں کا آغاز کیا۔ اس حملے میں اُسے سرہند کی لڑائی میں ہزیمت ہوئی اور اُسے واپس جانا پڑا۔ اسی سال محمد شاہ فوت ہوا اور احمد شاہ اُس کا بیٹا تخت دہلی پر بیٹھا۔ مغل وزیر نواب قمر الدین (جو سرہند کی لڑائی میں ہلاک ہوا) کا بیٹا معین الملک عرف میر منو پنجاب کا نیا صوبیدار مقرر ہوا۔ مغلوں اور افغانوں کی لڑائی کے نتیجے میں جو ابتری پھیلی سکھوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر پھر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تھا۔ میر منو سکھوں کی سرکوبی کے لیے نکلا تو سکھ پھر

۱۔ اقبال نے جاوید نامہ میں اس روایت کو تفصیل سے نظم کرکے پنجاب کی مابعد صورت حال کا عبرت انگیز حال بیان کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی پناہ گاہوں میں دبک گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر دوسری بار (۱۷۴۹ء میں) اور پھر تیسری بار (۱۷۵۲ء میں) یلغار کی ۔ میر منو نے مقابلہ کرکے شکست کھائی اور پنجاب کے چار اضلاع کا مالیہ بطور خراج دینا قبول کرکے صلح کر لی ۔ میر منو ایک حادثے میں فوت ہوا تو اس کا شیر خوار بیٹا لاہور کا صوبیدار بنایا گیا اور میر منو کی بیوہ مراد بیگم (عرف مغلانی بیگم) اس کی سرپرست بنی ۔ لاہور کے اس وقت دو دعویدار تھے مغل بادشاہ احمد شاہ بن محمد شاہ اور افغان حکمران احمد شاہ ابدالی ۔ مغلانی بیگم نے اپنی ڈپلومیسی سے دونوں درباروں سے موافقت رکھی ۔ لیکن ان دو طرفہ تعلقات نے لاہور اور پنجاب کے لوگوں کا مستقبل تاریک کر دیا تھا ۔ ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کو معزول اور آنکھوں سے معذور کرکے عالمگیر ثانی کو تخت دہلی پر بٹھایا گیا ۔ مغلانی بیگم کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی چوتھی بار پنجاب پر یلغار کرکے واپس ہوا تو وزیر عماد الملک نے اپنے سپاہیوں کے ذریعے مغلانی بیگم (اپنی ساس) کو گرفتار کرا کے دہلی منگوایا اور آدینہ بیگ کو لاہور کا صوبیدار مقرر کیا ۔ وزیر کے اس فعل کو احمد شاہ ابدالی نے اپنی توہین سمجھا اور ۱۷۵۶ء میں لاہور کا رخ کیا ۔ آدینہ بیگ نے راہ فرار اختیار کی ۔ ابدالی اپنے بیٹے تیمور کو لاہور میں چھوڑ کر دہلی پہنچا ۔ دہلی کو لوٹا اور وہاں قتل عام کیا ۔ دو ماہ بعد واپسی پر محمد شاہ کی دختر سے خود شادی کی اور تیمور کا نکاح عالمگیر ثانی کی بیٹی سے کیا ۔ عماد الملک نے اپنی ساس کی سفارش سے معافی حاصل کی اور اپنا اقتدار بحال کیا ۔ احمد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کو دہلی میں اپنا مختار اور تیمور کو لاہور کا ناظم مقرر کیا ۔ تیمور خاں سکھوں اور آدینہ بیگ کی سرکوبی پر کمربستہ ہوا ۔ سکھ حسب معمول پہاڑوں کی طرف چلے گئے ۔ آدینہ بیگ بھی ان کے ساتھ روپوش ہوگیا اور انہیں تیمور خاں کے خلاف ابھارتا رہا ۔ ۱۷۵۸ء میں سکھوں نے ٹڈی دل کی طرح اپنی گڑھیوں اور پہاڑی کمین گاہوں سے نکل کر لاہور کا محاصرہ کر لیا ۔ تیمور خاں مقابلے کی تاب نہ لا کر چناب کی طرف پسپا ہوگیا اور پہلی بار سکھوں نے جسا سنگھ کلال کی سرکردگی میں لاہور پر قبضہ کر لیا ۔ آدینہ بیگ نے مرہٹوں سے ساز باز کر لی اور مرہٹوں نے پنجاب پر قبضہ کرکے آدینہ بیگ کو ۷۵ لاکھ سالانہ خراج کے عوض یہاں کا گورنر بنا دیا ۔ سکھوں نے لاہور خالی کر دیا اور افغان سپاہ اٹک کے پار چلی گئی ۔ ۱۷۵۹ء میں عماد الملک نے عالمگیر ثانی کو قتل کروا دیا ۔ مرکز اور پنجاب میں مرہٹوں کے غلبے کی یہ خبریں سن کر احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کا رخ کیا ۔ مرہٹے ملتان و لاہور خالی کرکے دہلی کی طرف آ گئے ۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کا خاتمہ ہوگیا ۔ فاتح احمد شاہ ابدالی دہلی کو نجیب الدولہ کے حوالے کرکے اور لاہور میں بلند خاں کو حاکم بنا کر کابل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واپس چلا گیا ۔ ابدالی کی واپسی کے بعد سکھوں نے پھر سر اٹھایا ۔ چڑت سنگھ (رنجیت سنگھ کے دادا) نے گوجرانوالہ میں گڑھی بنا لی تھی ۔ بلند خان نے ۱۷۶۲ء میں اس پر حملہ کیا اور شکست کھائی ۔ سکھوں کے حوصلے اور بڑھ گئے ۔

پانی پت کی تیسری جنگ برصغیر کی تاریخ میں اس لحاظ سے فیصلہ کن ہے کہ اس میں مفتوح بھی پس گئے اور فاتح نے بھی اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ۔ شمالی ہند میں جو سیاسی خلا پیدا ہوا ، اسے ایک تیسری طاقت (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے پر کیا جو شاہ عالم ثانی کو بکسر کی جنگ (۱۷۶۴ء) میں شکست دے کر بتدریج آگے بڑھی اور ۱۸۰۳ء میں آگرہ و دہلی پر قابض ہوگئی ۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے یہاں معین الملک (میر منو) کے بعد بدامنی اور انتشار کا جو دور شروع ہوا تھا ، اس جنگ کے بعد اس میں بہت اضافہ ہوگیا ۔ بظاہر پنجاب اس زمانے میں ابدالی کی مملکت میں شامل تھا لیکن اس کے مقرر کردہ ناظم پنجاب کی حفاظت میں قطعاً ناکام رہے ۔ پنجاب کو لاوارث سمجھ کر سکھوں نے چاروں طرف یلغاریں کر کے لوٹ مار کا سلسلہ شروع کیا ۔ مسلمان خاص طور پر ان کے انتقام کا نشانہ بن رہے تھے ۔ سکھوں نے گورونانک کی تعلیم کو بھلا کر بہیمیت کی راہ اختیار کر لی تھی ۔ احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کا زور توڑنے کے لیے دو تین بار پنجاب کا رخ کیا لیکن ہر بار فوجی یلغار کر کے کابل کی راہ لی اور یہاں کے نظم و نسق کو خدا کے حوالے کر دیا ۔ بقول سید محمد لطیف ''اس بادشاہ کی حالت عقاب کی طرح تھی ۔ پہاڑی کی بلندی پر سے نشیب زمین پر تیز نظروں سے تاکتا رہتا ۔ جہاں شکار اس کی نظر پڑتا اپنے پہاڑی آشیانے سے پرواز کر کے میدان میں آتا اور اپنے صید کا کام کر کے اس کے استخوان ، گوشت پوست جو کچھ ہاتھ لگتا چونچ میں دبا پھنکڑی مار چل دیتا ، اور پھر ویسے ہی موقع کی تاک میں بیٹھا رہتا''[۱]

۱۷۶۲ء میں ابدالی نے چھٹا حملہ کر کے سکھوں کو ستلج پار دھکیل دیا ۔ اس موقع پر آلا سنگھ کو سات لاکھ کے عوض پٹیالہ بخش دیا ۔ کابلی مل کو لاہور کا والی مقرر کیا ۔ تین سکھ سرداروں (گوجر سنگھ ، لہنا سنگھ ، سوبھا سنگھ) نے کابلی مل کو لاہور سے نکال کر یہاں اپنا قبضہ کر لیا ۔ لاہور کے علاوہ سکھوں نے قصور ، مالیر کوٹلہ ، سرہند کو بھی لوٹا اور تباہ کیا ۔ ابدالی ایک بار پھر (۱۷۶۴ء میں) یلغار کرتا ہوا آیا اور چلا گیا ۔ اس کی واپسی کے بعد سکھوں نے جمنا اور جہلم کے درمیان اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں ۔ مسجدوں کو مسمار اور مسلمانوں کا قتل عام کرنا ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا ۔ پنجاب میں لاقانونیت کے اس دور کو صحیح معنوں میں سکھ گردی کا دور کہا جا سکتا ہے ۔ ابدالی آخری بار

۱ ۔ تاریخ پنجاب ، صفحہ ۷۹ ، ۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷۶۷ء میں یہاں آیا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا ۔ سکھ ہر طرف دندنا رہے تھے۔ حالات کو قابو سے باہر دیکھ کر ابدالی خاموشی سے واپس ہوا اور پھر زندگی میں ادھر کا رخ نہ کیا ۔ اس کی واپسی پر سکھوں نے راولپنڈی کے علاقے تک قبضہ کر لیا ۔ ابدالی کی وفات (۱۷۷۳ء) کے بعد اس کا جانشین تیمور شاہ بھی ایک دو بار یہاں آیا ۔ ۱۷۷۷ء میں تیمور شاہ نے ملتان پر قبضہ کیا ۔ ۱۷۹۳ء میں شاہ زمان کابل کے تخت پر بیٹھا اور ۱۷۹۷ء میں پنجاب آ کر سکھ سرداروں سے تحائف اور نذرانے وصول کر کے واپس ہوا ۔ اگلے سال پھر آیا لیکن اس کے بھائی محمود خان نے کابل میں شورش برپا کی تو تیزی سے واپس ہوا ۔ واپسی کے موقع پر دریائے جہلم طغیانی پر تھا ۔ بھاری توپیں دریا سے گزارنے میں رنجیت سنگھ نے اس کی امداد کی ۔ اس خدمت پر شاہ زمان نے اسے لاہور کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا ۔

شاہ زمان کے پروانۂ حکومت کی حیثیت کاغذ کے ایک حقیر پرزے سے زیادہ نہ تھی لیکن اس نے رنجیت سنگھ کی حکمرانی کے لیے ایک آئینی جواز فراہم کر دیا ۔ رنجیت سنگھ نے اٹک اور ستلج کے درمیانی علاقے پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بعد فرید کوٹ اور انبالہ پر قبضہ کر لیا لیکن انگریزوں نے اسے واپس جانے پر مجبور کیا اور ستلج کو سرحد قرار دینے پر اصرار کیا ۔ ۱۸۰۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور رنجیت سنگھ کے درمیان معاہدہ امرتسر ہوا ، جسے اس نے ساری عمر حرز جان بنا کر رکھا اور اپنی توجہ مسلمانوں کے علاقوں کو فتح کرنے پر مرکوز کر دی ۔ ۱۸۱۶ء میں جھنگ پر قبضہ کیا ۔ ۱۸۱۸ء میں ملتان فتح ہوا ۔ ۱۸۱۹ء میں کشمیر پر تسلط جمایا ۔ ۱۸۲۰ء میں جنوب مغرب کے بقیہ مسلمان علاقے فتح کر کے ۱۸۲۳ء میں پشاور اور جمرود پر قبضہ کیا ۔ یہ رنجیت سنگھ کے انتہائی عروج و اقبال کا زمانہ تھا ۔ رنجیت سنگھ کی شخصیت خوبیوں اور خرابیوں کا مجموعہ تھی ۔ وہ ناخواندہ اور عیاش تھا لیکن ساتھ ہی زیرک ، معاملہ فہم اور دور اندیش بھی تھا ۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود وہ عالموں کا قدردان تھا اور اسے اپنی رعایا کی بہبود کا خیال تھا ۔ وہ درندہ خصلت سکھوں کی وحشیانہ حرکات کو قابو میں رکھنے میں خاصا کامیاب رہا ۔ اگرچہ اکالی سکھ (جن کا سردار پھولا سنگھ ایک تند خو ، اکھڑ سرپھرا تھا) کبھی کبھی اس کے لیے درد سر بنتے رہے لیکن پھر بھی اس نے تدبر سے کام لے کر حکومت میں ایک نظم و ضبط پیدا کیا ۔ انتظامی معاملات میں اس کے مسلمان وزیر فقیر عزیزالدین اور فقیر نور الدین بڑے معاون ثابت ہوئے ۔ بقول سید محمد لطیف ''انیسویں صدی کی ابتدا میں تمدن کے لحاظ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا عروج خلق اللہ کی آسودگی کا باعث ہوا جسے وحوش خصال سکھوں نے اپنی جہالت سے سخت اذیت و آزار دے رکھا تھا ۔ اور تمام ملک کو جو کبھی تختۂ گلشن تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوجاڑ کر بستر خار و گلخن بنا دیا تھا ۔"[1]

رنجیت سنگھ کے دور میں بھی مغلیہ دور کی طرح دفتری زبان فارسی تھی ۔ مہاراجہ ہمیشہ پنجابی زبان میں گفتگو کرتا لیکن انگریزوں سے بات چیت ہندوستانی (اردو) زبان میں ہوتی ۔ مہاراجہ چونکہ سلیس ہندوستانی نہ بول سکتا تھا اس لیے اکثر مترجم کی وساطت سے گفتگو ہوتی ۔ رنجیت سنگھ کو زمانے کی تبدیلیوں کا احساس تھا ۔ ان سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے اس نے اپنی سپاہ کی تربیت یورپین طرز پر کی اور یورپین جرنیل ملازم رکھے ۔ لدھیانہ کے مشنری سکول میں سکھ نوجوانوں کو انگریزی زبان ، فن طبابت اور جراحی وغیرہ سیکھنے کے لیے بھیجا ۔ بحیثیت مجموعی رنجیت سنگھ کا دور حکومت (۱۷۹۹ء - ۱۸۳۹ء) پنجاب کے لیے قدرے سکون و عافیت کا دور تھا ۔ مہاراجہ کی جنگی مہمات اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہا جس کا ہدف مسلمان امرا تھے ۔ رنجیت سنگھ اپنی ہندو ، مسلم ، سکھ رعایا کو اگرچہ ایک آنکھ سے دیکھتا تھا (یہ الگ بات ہے کہ وہ کانا تھا) لیکن عام مسلمانوں پر جنونی سکھوں اور اکالیوں کے جبرو استبداد کو پوری طرح ختم نہ کیا جا سکا ۔ ان سے بیگار لی جاتی تھی اور اہانت آمیز سلوک کیا جاتا تھا ۔ ان کی عزت و ناموس محفوظ نہ تھی ۔ انھیں اذان دینے کی اجازت نہ تھی ۔ ان کی بڑی بڑی مساجد سکھوں کے قبضے میں تھیں ۔ مسجدوں کو اصطبل اور بارود خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ۔ خود بادشاہی مسجد لاہور اسی کام آتی تھی ۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اس حالت زار کو دیکھ کر مولانا سید احمد اور ان کے رفقا نے ہندوستان سے سرحد پہنچ کر سکھوں کے خلاف جہاد شروع کیا (۱۸۲۶ء) ۔ مجاہدین اپنی ان کوششوں میں مقامی آبادی کے عدم تعاون اور مخاصمت کی وجہ سے ناکام رہے اور سید احمد اور ان کے اکثر رفقا بالاکوٹ کے معرکے (۱۸۳۱ء) میں شہید ہوگئے ۔ لیکن یہ سکھا شاہی دور بھی رنجیت سنگھ کی وفات (۳۰ جون ۱۸۳۹ء) کے ساتھ ہی انتشار و بدنظمی کا شکار ہو کر چند برسوں میں ختم ہوگیا ۔

رنجیت سنگھ کے بعد اس کے جانشین کھڑک سنگھ ، نونہال سنگھ ، شیر سنگھ ، دلیپ سنگھ یکے بعد دیگرے گدی نشیں ہوئے لیکن وراثت کے جھگڑوں میں خالصہ فوج کی وحشت و بربریت عود کر آئی تھی ۔ جس فوج کو رنجیت سنگھ نے بڑے چاؤ سے تیار کیا تھا وہ اس کے بعد کسی نظم و ضبط کی پابند نہ رہی ۔ حکمران طبقہ اور عوام سبھی ان کا شکار تھے ۔ خالصہ سپاہ کے زور کو توڑنے کے لیے رام لال سنگھ وزیر اور تیج سنگھ سپہ سالار نے کوشش کی کہ فوج کو انگریزوں سے بھڑا دیا جائے ۔ چنانچہ ۱۸۴۵ء میں خالصہ فوج ستلج پار کر کے انگریزی علاقے پر حملہ آور ہوئی ۔ جو آبادیاں راستے میں آئیں لوٹ لی گئیں ۔ مدکی ، بھائی پھیرو ، بدووال ،

۱ - تاریخ پنجاب ، ص ۱۷۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی وال ، سبھراؤں کے مقامات پر پانچ لڑائیاں ہوئیں سخت خونریزی کے بعد خالصہ فوج کو شکست ہوئی ۔ قصور پر انگریزی قبضے کے بعد سکھوں نے ہتھیار ڈال دیئے ۔ معاہدہ لاہور کے مطابق ستلج سے بیاس تک کا علاقہ کمپنی کے قبضے میں چلا گیا ۔ ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوان جنگ کی وصولی کے لیے وادیٔ کشمیر ۷۵ لاکھ کے عوض گلاب سنگھ کے حوالے کردی گئی اور اسے بھی دلیپ سنگھ کے ساتھ خطاب مہاراجگی دے کر اپنا ماتحت بنا لیا گیا ۔ تین سال بعد سکھوں سے انگریزوں کی دوسری جنگ ہوئی جو چناب کے آس پاس رام نگر ، چیلیانوالہ ، گجرات میں لڑی گئی ۔ شکست کھانے کے بعد سکھوں کے سپہ سالار شیر سنگھ اٹاری والا نے ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء کو مانکیالہ میں انگریزی سپاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو گورنر جنرل نے پنجاب کے اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا ۔

اس طرح پنجاب نے غزنوی اور دہلوی سلاطین اور پھر مغلیہ عہد کی طویل خوش حالی و ترقی کے بعد پون صدی تک سکھ گردی کا جو اذیت ناک دور دیکھا وہ اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے بھیانک مناظر تاریخی عمارتوں کے کھنڈروں کی صورت میں چھوڑتا ہوا رخصت ہوا ۔ یہ مناظر ایک عرصے تک مقامی باشندوں اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے عبرت کا ساماں پیش کرتے رہے اور بربادی کے بعض نقوش اب بھی چند عمارتوں میں نمایاں ہیں ، لیکن ان زخموں کو کون دیکھ سکتا ہے جو لوگوں کے جسموں اور روحوں پر لگے ۔

پنجاب میں آٹھ صدیوں پر پھیلا ہوا اسلامی عہد کا یہ طویل دور نفسیاتی لحاظ سے تین رجحانات کا آئینہ دار ہے ۔ پہلا رجحان عہد سلاطین کی پانچ سو سالہ تاریخ میں ملتا ہے ۔ اس دور میں پنجاب قوت ، اقتدار اور استحکام کا سرچشمہ بنا رہا ۔ مرکز سلطنت کو ضرورت کے موقع پر نئی قیادت اور تازہ خون فراہم کرنا اور تاتاریوں کی وحشیانہ یلغاروں کو روکنا پنجاب کی تاریخی ذمہ داری ہو گئی تھی ۔ اس ذمے داری کو اہل پنجاب نے بڑے اعتماد اور جرأت سے سر انجام دیا ۔ عہد مغلیہ میں پنجاب کی یہ ذمے داری ختم ہو گئی نتیجتاً وہ عسکری قوت اور خود اعتمادی بھی باقی نہ رہی ۔ تاہم مغل سلطنت کے خوشحال صوبجات میں پنجاب کا بھی شمار ہوتا تھا ۔ اس خوشحالی نے تہذیب و ثقافت کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ، اگرچہ اس تہذیب و ثقافت کے مرکز دہلی و آگرہ تھے ۔ اس تقلیدی رجحان نے رفتہ رفتہ قوائے عمل کو شل کر دیا اور دور زوال میں یہاں مسلمان اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی قلیل التعداد سکھوں کے محکوم اور ان کے مظالم کا شکار ہو گئے ۔ آخری دور کا یہ منفعل رجحان اور شکست خوردگی پہلے دور کے رجحان سے بالکل مختلف نظر آتا ہے لیکن اس رجحان کے تار و پود مغلیہ عہد کے سیاسی ، تہذیبی اور ثقافتی رویوں سے ملتے ہیں جنھوں نے پنجاب کے مسلمانوں کو خوشحالی اور فارغ البالی تو دی لیکن ساتھ ہی انہیں اس ذمے داری سے سبکدوش اور خود اعتمادی سے محروم کر دیا جو پانچ صدیوں تک ان کا طرۂ امتیاز رہا تھا ۔

© rasailojaraid.com